مغربی سماج میں انتہا پسندی: ایک مختصر تجزیہ

مولف: سید مجید امامی
مترجم: محمد جعفر زیدی

گذشتہ چند دہائیوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغربی یورپ میں اسلام کے سلسلہ میں بہت زیادہ بحث و گفتگو ہو رہی ہے۔ ممکن ہے اس کی جڑیں مختلف حوادث اور واقعات میں پوشیدہ ہوں جیسے ایران کا اسلامی انقلاب، خلیج فارس کی جنگ، سابق یوگوسلاویہ کی جنگ، مشرق وسطی کے بدلتے حالات اور تیزی سے پھیلتا ہوا اسلام۔ ان تمام عناصر کے علاوہ ایک دوسرا عنصر بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور وہ ہے کثیر تعداد میں مسلمانوں کا ان ممالک میں ہجرت کرنا جو یورپی یونین کے رکن ہیں۔ یورپی سماج کی موجودہ حالت پر سرسری نظر ڈالی جائے تو بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یورپ میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک اور رویہ اپنایا جارہا ہے وہ سراسر تعصب اور عدم آگہی پر قائم ہے جسے واضح طور پر ان کے ٹی وی چینلس اور میڈیا رپورٹوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ایسے پروگرام اور رپورٹیں جس میں مسلمانوں کو خطرناک، متعصب، بدو اور عقل سے دور دکھلایا جارہا ہے۔

۱۹۸۰ء سے لے کر اب تک مغربی میڈیا مسلسل مغربی لوگوں کو اسلام کے خطرہ سے آگاہ کرارہا ہے لیکن اسلام کے خلاف یہ تہمتیں کبھی بھی حقیقتوں اور قابل یقین شواہد و قرائن پر استوار نہیں رہی ہیں۔ اسلام کے خلاف مغربی سیاستداں اور میڈیا جس چیز کو بطور دستاویز پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ دہشت گردوں کی اکثریت یورپ کے تازہ مسلمان یا مہاجرین ہیں جن کی سلفی فکریں اسلامی بنیاد پرستی سے پوری طرح ہماہنگ ہے۔ ایسی تصویر جو تنگ نظری، تشدد، کٹرپن، تحجر اور تہذیب و تمدن ستیزی کے رنگوں سے پوری طرح رنگی ہوئی ہے۔ اس پہیلی کو کیسے سلجھایا جائے؟ تشدد، بنیاد پرستی اور وہ سختیاں جو یورپی سماج کے ذریعہ مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں ان میں سے کون سا عنصر علت اور کون سا عنصر معلول ہے؟ ہمارا جواب یہ ہے

کہ کوئی بھی نہیں؛ یعنی مذکورہ تمام عناصر کسی تیسرے عنصر کی وجہ سے ہیں۔ لیکن کیوں اور کیسے؟ مجموعی طور پر یورپ میں ہم دو طرح کی اسلام ستیزی دیکھ رہے ہیں: اسٹراٹیجک اسلام دشمنی اور عوام کی اسلام دشمنی۔ اسٹراٹیجک اسلام دشمنی کا آغاز ۱۹۷۰ کی دہائی سے ہوا اور زیادہ تر امریکہ میں یہ دشمنی پائی جاتی تھی۔ اوپک کی جانب سے تیل کی قیمت میں اضافہ، ایران کا اسلامی انقلاب، تہران میں امریکی سفارت خانہ پر قبضہ اور موجودہ اراکین سفارت کو یرغمال بنانا، ۱۹۹۳ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ، ستمبر ۲۰۰۱ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ اور مغربی میڈیا میں اس واقعہ کی جانبدارانہ اور مغرضانہ تجزیہ و تحلیل، یہ تمام واقعات اسٹراٹیجک اسلام دشمنی کا ماحصل ہیں۔

اسلام دشمنی کا دوسرا مرحلہ یورپ سے شروع ہوا۔ عوامی اسلام دشمنی یورپ میں مسلمانوں کی موجودگی کا نتیجہ ہے اور مہاجرین کے انضمام، نسلی اختلافات اور حجاب جیسے مسائل پر مرکوز ہے۔ ۱۹۸۰ء میں عوامی اسلام دشمنی نے ایک نیا رخ اپنایا اور مغربی یورپ میں اینٹی امیگریشن تحریک میں تبدیل ہو گئی۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسٹراٹیجک اسلام دشمنی کا تعلق معاشیات اور سیاست سے ہے وہیں عوامی اسلام دشمنی کا تعلق ثقافتی پہلوؤں سے ہے۔ دو الگ الگ طرح کی اسلام دشمنی واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ کس طرح سیاسی، معاشی اور ثقافتی مسائل دین اسلام سے جڑے ہوئے ہیں اور اسلام نامی حقیقت کو تشکیل دے رہے ہیں۔ اس طرح کی بحث و گفتگو میں ہمیں اس بات کی طرف توجہ رکھنی ہوگی کہ ہم کون سے اسلام سے روبرو ہیں۔ جو اسلام ان تنازعات اور کشیدگی میں تنقید کا نشانہ بنتا ہے یہ وہ اسلام نہیں ہے جو قرآن و سنت سے ماخوذ ہے بلکہ اس اسلام کا تعلق سیاسی و معاشی لحاظ سے بحران زدہ یورپی سماج سے ہے۔ لہٰذا ایسی صورت حال میں چاہے ہم اسلام کے حامی ہوں یا اس پر تنقید کرنے والے، ہمیں چاہئے کہ ہم ان عوامل و اسباب کو تلاش کریں جس کی وجہ سے یہ تنازعات و کشیدگی وجود میں آئی اور اس کے بعد ہی کوئی رائے قائم کریں؛ کیونکہ ان شرائط میں قرآن و سنت میں موجود اس کی حقیقی تعلیمات کی بنا پر اسلام پر تنقید کرنے کا لازمہ دو غلط فہمی اور پہلے سے طے شدہ قیاس ہیں:

سب سے پہلے تو یہ کہ، اسلاموفوبیا (اسلام دشمنی) مغربی ثقافت، راہ و روش اور یورپی تہذیب و سماجی اقدار کو بنیاد بناتا ہے اور اسلامی و مغربی ثقافت کے درمیان ناقابل مفاہمت جدائی کا قائل ہے۔ یہاں پر اہم اور قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ حد سے زیادہ ثقافتی اختلافات پر زور دینا اور تاکید کرنا، اسلامی تہذیب کے ادراک

اور شناخت کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا ہدف مغربی ثقافت کی اسلامی ثقافت پر برتری کو عیاں وظاہر کرنا ہے لہٰذا طبیعی ہے کہ یہ سوچ صرف انہی لوگوں کی ہوگی جو پورے زور و شور سے یورپ میں اسلام کا منفی اور بھیانک چہرہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ دونوں ثقافتوں کے درمیان موازنہ اس طرح سے کیا جاتا ہے کہ مسئلہ ہی تحریف کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب اسلام کا تقابل بعنوان دین کسی خاص جغرافیائی علاقہ یا مغرب نامی سماج سے کیا جاتا ہے تو یہ تقابل تعصب سے خالی نہیں ہوتا ہے اور اس کا مقصد صحیح شناخت و معرفت اور منصفانہ غور و خوض نہیں ہے بلکہ پس پردہ سیاسی اغراض و مقاصد چھپے ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسلام فوبیا نقطۂ نظر سے تمام اسلامی ترقیوں اور تغیرات کا تعلق انتہا پسندی سے ہے۔ بطور مثال ایران کے اسلامی انقلاب کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے گویا اس کے پیچھے صرف اسلامی انتہا پسندی کے عوامل کارفرما تھے اور مسلمانوں کی ذرہ برابر بھی توجہ تہذیب و تمدن، معاشیات، سماجی اور سیاسی عوامل و عناصر کی جانب نہیں تھی جن کا اس واقعہ میں اہم کردار تھا۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یورپی معاشرہ میں اسلام کو غلط اور منفی قضاوتوں سے کیوں روبرو ہونا پڑ رہا ہے اور کیوں مغربی میڈیا لوگوں کے اذہان میں اسلام کی غیر حقیقی تصویر پیش کر رہا ہے۔ یورپ میں اسلام کو اس کی بنیاد اور تعلیمات کی بنا پر نہیں بلکہ ایک جدید ابھرتی ہوئی سماجی، ثقافتی اور سیاسی تحریک کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس درمیان معاشیاتی پہلو جس کا اس صورت حال میں اہم کردار ہے، اس سے پوری طرح غفلت برتی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں، میڈیا یورپ میں سکونت پذیر مسلمانوں کو بعنوان اقلیت پیش کرتی ہے جو تشخص اور ثقافت کے لحاظ سے پچھڑے اور غریب ہیں اور ان کی تہذیبی خصوصیتیں اس بات کی مانع ہیں کہ وہ جمہوریت اور اعلی مغربی ثقافت میں پوری طرح سے گھل مل جائیں۔ اسلام کو اس طرح سے پسماندہ و پچھڑی ثقافت کے طور پر پہچنوانے کے اقتصادی رجحانات بھی ہیں جو بہت سے مالی فوائد سے مسلمانوں کی محرومیت کا سبب ہے۔

اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنے پر مغربی میڈیا کا اصرار، ممکن ہے خود مسلمانوں کے اذہان کو بھی منحرف کردے کیونکہ جب مغربی میڈیا اسلام کا تجزیہ و تحلیل صرف سماجی اور سیاسی نقطہ نظر سے کرتا ہے تو ممکن ہے مسلمان بھی اسی پس منظر میں اپنا ردعمل دکھلائیں۔ مثال کے طور پر سماجی اور سیاسی تبدیلیوں کے ضمن

میں اسلام کو ایک شدت پسند افراطی اور غیر منطقی دین کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ یورپ میں اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنے پر ممکن ہے بعض یورپی مسلمانوں کی جانب سے تند اور شدید رد عمل بھی سامنے آئے جو مغربی میڈیا کے دعووں کی تصدیق کا سبب قرار پاتا ہے لہٰذا گذشتہ چند دہائیوں سے یورپ میں اسلام دشمنی اور اسلام ستیزی کے نام پر جو چیز پیش کی جارہی ہے اس کا ذرہ برابر بھی تعلق عقل و منطق یا اسلامی تعلیمات سے نہیں ہے بلکہ اس تنازع میں اسلام ایک آلہ کی طرح ہے جس کا استعمال مغربی سیاستداں اور یورپی میڈیا اپنے ناپاک اہداف کو حاصل کرنے کے لئے کررہے ہیں۔

یہ مسئلہ اس جہت سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ مغربی میڈیا اور یورپی سیاستدانوں کی تنقید اور اس عظیم پروپگنڈہ کے خلاف یورپی مسلمانوں کا رد عمل کا تعلق اسلامی تعلیمات سے نہیں ہے۔ اس تنازع میں جو چیز اہم ہے وہ یورپ میں تعلقاتِ قدرت وطاقت ہے جیسا کہ بعض مغربی مفکرین اور دانشور حضرات بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سویت یونین کے بکھرنے کے بعد کمیونیزم کی جگہ اسلام یورپ کا سخت اور خطرناک دشمن بن گیا۔

گذشتہ چند دہائیوں میں مغربی میڈیا اور سیاستدانوں نے بخوبی اس چیز سے فائدہ اٹھایا اور بعض موارد میں بعض عوامل جیسے محرومیت، پابندیاں، نسلی تعصّبات اور یورپی معاشرہ میں موجود عدم مساوات کی وجہ سے بعض مسلمانوں نے بھی ایسے رد عمل اور جوابی کاروائی کا مظاہرہ کیا جس سے مغربی میڈیا نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بھرپور فائدہ اٹھایا لیکن اس درمیان جو مغالطہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کو ایک غیر مساوی جنگ میں مجرم ٹھرایا جاتا ہے اور جب اس عدم مساوات اور تعصب پر اعتراض کرتے ہوئے مسلمان کسی رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں تو یورپی میڈیا مسلمانوں کی اس کاروائی کو اپنے دعووں کی سچائی پر بطور گواہ پیش کرتے ہوئے دوبارہ مسلمانوں کو مجرم وخطاکار قرار دیتا ہے۔

ہفت روزہ اخبار شارلی ابدو[۱] کے دفتر پر ہوئے حملہ کا تجزیہ بھی اسی تناظر میں ہونا چاہئے۔ یورپ میں مسلمان مختلف قسم کے تعصّبات اور عدم مساوات کا شکار ہیں اور ان تمام تعصّبات کو ان کے مسلمان ہونے کی

۱۔ شارلی ابدو Charlie Hebdo :ایک فرانسیسی طنزیہ ہفت روزہ اخبار ہے جو کارٹونوں، رودادوں، مباحثوں اور لطیفوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اپنے لب ولہجے میں گستاخ اور بے بدل، ہفت روزہ سخت مذہب مخالف اور بائیں بازو سے تعلق رکھتا ہے۔

وجہ سے ان پر روا رکھا گیا ہے تاہم عمل میں مسلمان ایک بڑھتی ہوئی ثقافتی اور نسلی اقلیت میں تبدیل ہو گئے ہیں جو یورپی میڈیا کے مطابق ثقافت، سیاست اور اقتصادی لحاظ سے یورپ کے لئے خطرہ بن گئے ہیں۔

حد سے زیادہ اس بات کی تکرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مسلمان اضطراب اور ڈپریشن میں مبتلا ہو گئے اور اپنی نفسیاتی کیفیت کے مطابق عمل کرنے لگے جس کے نتیجہ میں مغربی میڈیا کو دوبارہ بہانہ مل گیا اور اسلام کے خلاف اس نے اپنی سازشوں کو مزید تیز کر دیا لیکن اس درمیان جس چیز کو نظر انداز کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا اسلامی نصوص اور تعلیمات میں اس طرح کے تشدد کو جائز قرار دیا گیا ہے؟ جس اسلام کے نام پر پیرس میں دہشت گردانہ حملہ کیا گیا، وہ نہ تو سنی اسلام ہے اور نہ ہی شیعہ اور نہ ہی وہابی اسلام اور نہ ہی روایتی بنیاد پرستی کی تفسیر سے ماخوذ ہے بلکہ یہ فرانس کا بانلیو[1] [شہر کا فقیر نشین علاقہ] اسلام ہے جو ایسے فرانسیسی نوجوانوں پر مشتمل ہے جو نسلی اعتبار سے اہل مراکش ہیں جن کے اندر تشخصی بحران اور حکومت کی جانبدارانہ پالیسیوں کے خلاف غم و غصہ بھرا ہے۔

فرانس کے فقیر نشین علاقوں کے مسلمان نہ تو فرانسیسی ہیں اور نہ ہی عرب۔ وہ اپنے غلیظ عربی لہجہ میں فرانسیسی بولتے ہیں لیکن غالبا وہ ایک جملہ بھی عربی کا ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ امریکی سیاہ فام[2] Ghetto کی طرح ان کی گفتگو اعتراض اور غصہ سے بھری موسیقی کے انداز میں ہوتی ہے۔ ان کے جمع ہونے کی جگہ نہ تو مسجد ہے نہ ہی نماز جمعہ اور نہ ہی دعا و استغفار کا جلسہ بلکہ سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر وہ جمع ہوتے ہیں۔ کسی منظّم و منسجم گروہ کی طرح ایک دوسرے کے سلسلہ مراتب کا پاس و لحاظ رکھنا، بظاہر ایک جیسے لباس پہننا اور غیر قانونی سرگرمیاں انجام دینا [جیسے ڈرگس کی خرید و فروخت] سرد و گرم اسلحہ اپنے پاس رکھنا، تمام اعضاے گروہ کے ساتھ احساس برادری رکھنا [جیسے ایک دوسرے کو مخاطب کرتے وقت Bro کہہ کر بلانا] نیز تمام اسٹریٹ کلچرز اور عادت و رسوم انہیں امریکی روڈ پر موجود آوارہ و بدمعاشوں کے گروہ سے زیادہ مشابہ بناتا ہے چہ جائیکہ ان کا شمار مذہبی اقلیت میں ہو۔

آج یورپ میں جو ان اپنی شناخت و تعارف کے بحران سے روبرو ہے، وہ نافرمان اور قانون شکن ہے

---

1. banlieue

۲. شہر کا وہ علاقہ جہاں اکثر فقیر اور مہاجر افراد زندگی گزارتے ہوں امریکہ میں گتو سیاہ فام اور مکزیکی لوگوں کو کہا جاتا ہے۔

اور سماجی محرومیتوں کا شکار ہے؛ وہی جوان جنہوں نے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں فرانسیسی طلبا تحریک کی صورت میں نمایاں کام انجام دیا۔ اس وقت یہ طلبا تحریک صرف فرانس ہی تک محدود نہیں تھی اور آنے والے چند سالوں میں ظلم و استبداد سے ناراض نوجوانوں نے یورپ میں نظام سرمایہ داری کو لبرل ریاستوں کے لئے درد سر بنا دیا۔ قابل غور بات یہ تھی کہ اس تحریک میں نہ صرف ان لوگوں نے شرکت کی جن کا تعلق سوشلزم سے تھا بلکہ ایک اچھی خاصی تعداد ان افراد کی بھی تھی جو فکری لحاظ سے لا قانونیت، قوم پرستی اور فاشیزم سے وابستہ تھے اور جن کی موجودگی سے یہ تحریک ایک عظیم تحریک میں تبدیل ہو گئی تھی۔ مغربی حکومتوں اور نظام سرمایہ داری نے کس طرح اس مشکل پہ قابو پایا یہ ایک الگ بحث ہے اور ہر گز اس مقالہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اسے بیان کیا جائے؛ لیکن جو چیز قابل غور ہے وہ یہ کہ یہ بحران صرف اور صرف سرمایہ داری نظام کی بے عدالتی اور ناکامی کی وجہ سے وجود میں آیا۔

اگر گذشتہ دہائی کے ماہرین اقتصادیات یا منتقد دانشور جیسے "Joseph Stiglitz"، "Naomi", "Klein" "HaJoon Chang" اور "John pilger" کی تجزیہ و تحلیل کا جدید لبرلزم سے مقابلہ کریں تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی کہ آج جو گھٹن اور غلبہ والی سیاست حاکم ہے، وہ کسی بھی طرح سے ۱۹۶۰ کی دہائی سے کم نہیں ہے اور اس غاصب نظام سرمایہ داری کے خلاف آواز اٹھانے والی تحریک آج بھی موجود ہے لیکن اس تحریک کے سن رسیدہ افراد کو زندگی کی سخت اور دشوار شرائط نیز کاذب ضرورتوں کو پورا کرنے میں مصروف کر دیا گیا ہے لہٰذا تنہا وہ گروہ جو اپنی سماجی صورت حال اور بپھری طبیعت کے ذریعہ اس تحریک کو آگے بڑھا سکتا ہے وہ صرف جوان طلبا کا گروہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپی ممالک میں جوان، خاص کر مہاجرین اور نچلی سطح پر زندگی گذارنے والے افراد شدید طور پر انتہا پسندی کی طرف مائل ہیں وہ اپنی پوشاک اور گفتگو سے اپنی ناراضگی و خفگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان حالات میں صرف ایک رہائی بخش اور طبقاتی و سرمایہ داری نظام کے خلاف آواز اٹھانے والی آئیڈیالوجی کی ضرورت ہے جو اس آتش فشاں کی صحیح ہدایت کر سکے۔

آج یورپی سماجی تحقیق کے مراکز اور یورپی اتحاد کے شعبے اپنی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ یورپی جوان روز بروز انتہائی نسل گرائی اور اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ ایک طرف سے تو خالص یورپی لوگ مہاجرین کی بڑھتی تعداد سے متاثر ہو کر [خاص کر عرب، افریقی اور ترک مہاجرین سے] شدید نسل گرا ہوتے جا رہے

ہیں اور اپنے غصہ کو غیر یورپی افراد پر نکالتے ہیں۔ دوسری طرف وہ مہاجرین جو سرمایہ داری اور طبقاتی نظام میں گھٹ گھٹ کر جی رہے ہیں اور ہر دن تحقیر، توہین اور تبعیض کا شکار ہوتے ہیں، وہ اسلامی بنیاد پرستی یعنی سلفیت کی پناہ میں چلے جاتے ہیں۔ یہیں سے یہ بات بھی روشن ہو جاتی ہے کہ کیوں یورپ کے تازہ مسلمان یا اصالتاً عرب افراد داعش اور دیگر دہشت گردی گروہ کی حمایت کرتے ہیں۔

حقیقت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یورپی جوانوں کا مسلسل قانون توڑنا، تشدد کرنا اور انتہا پسند ہونا، داعش کے تمام وحشیانہ اقدامات کے باوجود انہیں اس کٹر تنظیم سے ملحق ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ آج پورے یورپ میں مسلمانوں کو مسلحانہ حملہ اور تشدد کے لئے موردالزام ٹھرایا جاتا ہے جبکہ بہت سے دہشت گردانہ حملوں کا شکار خود مسلمان ہوتے ہیں یا تشدد پسند تنظیموں کے ذریعہ انہیں آزار واذیت پہنچائی جاتی ہے تاکہ وہ یورپ سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ اسی طرح سے اس نظریہ پر زور دینا کہ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب بالکل ہی ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں اور انہیں آپس میں جمع نہیں کیا جاسکتا ہے لہٰذا کبھی بھی مسلمان مغربی تہذیب میں رچ بس نہیں سکتے ہیں، تعصب اور اسلامی تعلیمات سے ناآشنائی کی وجہ سے ہے۔ اس سلسلہ میں معمولا مسلمانوں کے اعتقادی مسائل جیسے حجاب اور تعدد ازواج کی طرف اشارہ کرکے ان کو بڑھاچڑھا کر مخاطبین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کو مسترد کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ خود کو اپنی مادری سرزمین یا اس طرح کہا جائے کہ عالم اسلام سے وابستہ جانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جن یورپی ممالک میں وہ مقیم ہیں خود کو اس ملک کے شہری قوانین کا پابند نہیں جانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں Fred Halliday ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے اس موضوع کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ ان کی نظر میں یورپ کی مسلمانوں سے دشمنی، ان کا نسلی مہاجر ہونا اور دقیانوسی تصورات کی وجہ سے ہے لہٰذا ان کی دشمنی ایک گروہ سے ہے نا کہ اسلام سے؛ کیونکہ اسلام کے خلاف جو پروپگنڈے پیش کئے جاتے ہیں وہ صرف مذہبی اور دینی عناصر پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ وہ ایک ایسے نظریاتی نظام پر استوار ہیں جس میں تمام عناصر شامل ہیں۔